بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اثبات الفاتحہ

اور

افاضات عالیہ

جامع العلوم العقلیہ والنقلیہ کاشف المکنونات الخفیہ

عالم ربانی عارف حقانی حضرت مولانا الحاج سید شاہ ابوالمحمود

سید احمد اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھوی قدس سرہٗ

مع تقدیمہ

استاذ الاساتذہ فخر الحکما حضرت مولانا شاہ محمد اشرف اشرفی

الجیلانی کچھوچھوی قدس سرہٗ

مرکزی حلقہ اشرفیہ پاکستان ٹرسٹ رجسٹرڈ

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

از افاضات عالیہ

جامع العلوم العقلیہ والنقلیہ کاشف المکتوبات المخفیہ عالم

ربانی عارف حقانی حضرت مولانا الحاج سید شاہ ابو المحمود

احمد اشرف صاحب اشرفی جیلانی کچھوچھوی قدس سرہ النورانی

الدلائل الواضحہ فی اثبات الفاتحہ

مرتبہ استاذ الاساتذہ فخر الحکماء حضرت مولانا مولوی حکیم سید شاہ

ندا اشرف صاحب اشرفی جیلانی کچھوچھوی برادر عم زاد حضرت مصنف قدس سرہ السامی

ملنے کے پتے

(۱) صدر دفتر حلقہ اشرفیہ پاکستان رجسٹرڈ مسکن سادات —

اشرف الجیلانی فردوس کالونی ۔ کراچی ۔ (۲) ایس ۔ آر خان جیولر ۔

حقانی اسٹریٹ ۔ میٹھادر ۔ کراچی — ٹیلی فون ۲۲۷۵۰۹

ابتدائیہ

سابقہ دو کتابچوں "غوث العالم" اور "قطب ربانی" میں حلقہ اشرفیہ پاکستان رجسٹرڈ اور مرکزی حلقہ اشرفیہ پاکستان ٹرسٹ رجسٹرڈ کے اغراض و مقاصد ناظرین کی نگاہ سے گذرے ہوں گے جن میں سے ایک "دفعہ خاص" "میں سلسلۂ عالیہ اشرفیہ کی اشاعت اور اس کے مقتدر بزرگان کی سوانح۔ اقوال زریں۔ ہدایات کو کتابی شکل دینے اور شائع کرنے کی نشاندہی کی گئی ہے۔ چنانچہ جہاں دیگر دفعات کے مطابق حلقہ اور ٹرسٹ کا کام جاری ہے وہاں اس دفعہ کے تحت بحمد اللہ برابر تالیف و تصنیف اور طباعت کا سلسلہ چل رہا ہے۔

زیر نظر کتابچہ میں عالم بے مثال عامل باکمال احسن الوجوہ اکبر الوقوہ حضرت ابوالمحمود سید شاہ احمد اشرف صاحب الاشرفی الجیلانی خلف اکبر اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ سید علی حسین اشرفی الجیلانی سجادہ نشین آستانہ عالیہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ کی مدلل بحث برائے صحت فاتحہ سے چند اقتباسات ناظرین کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں تاکہ علماء و عوام و خواص سب ہی اس سے استفادہ کریں اور منکرین فاتحہ اپنے عمل کرد دار میں تبدیلی پیدا کرکے مثبت راہ اختیار کریں۔ یہ کتابچہ اثبات الفاتحہ حضرت سلطان المشائخ ابوالمسعود شاہ سید محمد مختار اشرف سجادہ نشین سرکار کلاں آستانہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ کی اجازت اور حکم سے طباعت پذیر ہوا ہے۔ اس کی اشاعت کا مقصد صرف وہی ہے جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے حضرت مولانا صاحب مرحوم و مغفور کی علمیت کا اندازہ اس مختصر بحث سے ہوسکتا ہے جس وقت وہ علم پر حضرت مولانا مرحوم آفتاب بن کر نمودار ہوئے اس وقت ان کی مثال آپ تھے لیکن افسوس کہ حضرت بہت جلد اس دنیا سے تشریف لے گئے اور علمائے اہل سنت کی محفل سونی ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مولانا مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

قطب ربانی کے ابتدائیہ میں فقیر نے عرض کیا تھا کہ اس کے بعد ایک کتابچہ بہت جلد ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا جس میں خاندان اشرفیہ کے مقتدر بزرگان کے حالات زندگی یکجا کرکے پیش کئے جائیں گے چنانچہ مذکورہ کتابچہ زیر تالیف ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد منظر عام پر آئے گا۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ اس سے قبل ایک اور کتابچہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ فقط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اخوت پناہ، فضیلت دستگاہ، جامع علوم معقول و منقول، حاوی فنون فروع و اصول، عزیزی و ابن عمی مولانا سید شاہ ابوالمحمود احمد اشرف ابن قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین جناب سید شاہ ابو احمد علی حسین سجادہ نشین سرکار کلاں آستانہ کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد۔ جب ۲۱ صفر المظفر یوم یکشنبہ ۱۳۲۷ھ ہجری کو مقام ابراہیم پور ضلع بھاگلپور، مکان شیخ محمد عالم صاحب صدیقی رئیس اعظم پر رونق افروز ہوئے اور چند سے حسب خواہش مریدین و معتقدین قیام فرمایا تو بعینہ طبابت کچھ میری ضرورت بھی محسوس ہوئی۔ آخر تاریخ بار بار خط پر خط بھیج کر مجھ کو قصبہ جائیس ضلع رائے بریلی سے اپنے پاس طلب کرلیا۔ میرے پہنچتے ہی مجالس دینی و مشاغل علمی شروع ہوگئی۔ اور ہر ایک طرف کثرت سے انعقاد محافل وعظ و مجالس میلاد خیر العباد بذاق قلبی بڑھانے کے لئے

اکسیر کا حکم رکھتی تھی۔ اُدھر دوسری طرف جناب برادر مولانا و مقتدانا سید محمد فاخر صاحب محمدی الہ آبادی کا تشریف لا کر شریک جلسہ ہونا سونے میں سہاگہ ہوگیا۔ دونوں فاضلِ اجل، عالم با عمل کی صحبت کیمیا خاصیت بھی ہر وقت و ہر آن طرح طرح کے تذکرے ہونے لگے۔ ہوتے ہوتے ایک روز باہم دونوں میں مناظرہ جونپور کا جو جناب مستطاب مولانا سید شاہ سلیمان اشرف صاحب بہاری و مولوی اصغر حسین صاحب دیوبندی میں دربارۂ جواز فاتحہ مروجہ ہوا تھا تذکرہ ہوا۔ چونکہ دونوں ہم زبان و ہم مسلک تھے کسی کی تقریر بدلّل و مبرہن نہ ہوتی تھی۔ مخالفانہ تقریر کرنے کے لئے میں خود تیار ہوگیا اور معترضین کے اعتراضوں کو حتی الامکان زوردار اور مضبوط لفظوں میں پیش کرنے لگا۔ دونوں محقق فاضل کے حاضر جوابی سے تو بہ سامعین جس طرح مذاق علم کی دولت لوٹ رہے تھے اُس کی تصویر کشی کیونکر ممکن ہے۔ ہاں اس چھان بین کی محققانہ روشنی سے مسئلۂ مذکورہ کی تاریکی جس قدر دور ہوتی ہے وہ البتہ حیطۂ تقریر میں کچھ بیش و کم آسکتی ہے۔ لہٰذا بطور سوال و جواب کے اُس کا لکھنا بمقتضائے قومی ہمدردی کے مناسب سمجھتا ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو مقبول انام و پسند خاص و عام کرے ؏

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

سوال (۱)

کیا اس پر اتفاق ہے کہ ہر شے کی حقیقت اباحت ہے ؟

جواب (۱)

اگر سوال سے یہ مطلب ہے کہ باوصف موجود ہونے ان حقیقۃ الاشیاء فی الاصل حظر او منع او التوقف کے محض ان حقیقۃ الاشیاء فی الاصل اباحۃ سے استدلال کیوں کیا جاتا ہے تو سوال قابلِ سماعت نہیں اس لئے کہ آج دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں مل سکتی، جس کو کسی نہ کسی چیز سے نسبت تضاد کی حاصل نہ ہو۔ جن کو بصارت کے ساتھ بصیرت بھی حاصل ہے وہ ہر شئے کی ضد سے اُس کی معرفت پیدا کرتے ہیں۔ اسی بنیاد پر متکلمین نے فرمایا ہے الاشیاء تعرف باضدادھا اور اگر سوال سے یہ مطلب ہے کہ فقہا کی تفقہ اور مجتہدین کے اجتہاد کا مدار کس قول پر ہے، تو عیاں راچہ بیاں۔ اگر مسائل شرعیہ کا استخراج قول ثانی سے نہ ہوتا تو قرآن کا اعراب احادیث کی تدوین کتابوں کی تصنیف، صرف و نحو کی تعلیم مدارس کی بنیاد اردو بولنے والوں کا وعظ غرض صدہا مستحسنات کا استحسان دائرہ ما یترتب علیہ الثواب سے نکل کر معصیت میں داخل ہو جاتا۔ عبادات مستحبہ میں وہ کھلبلی پڑ جاتی کہ نہ نقشبندیوں میں مجاہدہ و مراقبہ کا زور ہوتا نہ چشتیوں میں عشق کا شور۔ علیٰ ہذا القیاس مباحات کی اباحت اگر عند الشرع ماموربہ ہونے سے الگ متحلک رہتی تو حضرت انسان

کا وجود ایک مضغۂ گوشت سے زیادہ وقعت نہ رکھتا، ذرا سی حرکت
کی اور حظ و منع کے غار عمیق میں ہڈی پسلی چور ہو گئی۔ معاذ اللہ اسلام
کیا ٹھہرا خود کشی کا ذریعہ، موت کا شکنجہ ٹھہرا۔ اگر کوئی دشمن عقل لا
یکلف اللہ نفساً الا وسعہا کے خلاف اس شکنجہ کو محل اسلام قرار
دے کر قول ثانی کو در مختار میں معتزلین کا گڑھا ہوا فقرہ دکھلاتا ہے
تو کیا اس موافقت اتفاقی کا نتیجہ یہ ٹھہرے گا کہ اہل سنت وجماعت
پر اعتزال کا الزام رکھدیا جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ اگر رکھدیا جائے تو
اسلام کا موحد ہونا بھی الزام سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ بعض
مذاہب کفر بھی توحید کی رائے پر استقلال کا حقد رکھتے ہیں جس کی شہادت
دینے پر اسلام کی آیتیں تیار ہیں۔ میرے نزدیک اگر در مختار کی عبارت
قابل اعتراض نہیں تو قابل نظر انداز ضرور ہے۔ اس لئے کہ صاحب
درمختار کی تحقیق کا اثر نہ ائمہ مجتہدین کے اجتہاد میں پایا جاتا ہے نہ حضرات
مرشدین کے ارشاد میں۔ یہاں دونوں گروہوں کا شامی کی تحقیق پر عمل
ہے جس نے صاف صاف امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب لکھدیا ہے
کہ ان حقیقۃ الاشیاء فی الاصل اباحۃ۔

سوال (۳) ———

شرع شریف میں بدعت کس کو کہتے ہیں۔ ؟

جواب (۳) ———

شرع شریف میں بدعت ما لیس من الامر کو کہتے ہیں جیسے خود

جناب سرور عالم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم احداث یعنی بدعت سے آگاہی
بخشنے کے لئے ارشاد فرماتے ہیں من احدث فی امرنا ھذا ما لیس
منہ[1] فہو رد اور اطلاق ما لیس منہ کا اس چیز پر صحیح متصور ہوگا جو امور سے
خارج اور منہی عنہ کے تحت میں داخل ہو گی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ
ہے کہ احکام شریعت کے دو قسم ہیں، اوامر اور نواہی۔ اوامر کے پانچ
قسم ہیں۔ فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح۔ اور نواہی
کے تین قسم ہیں۔ حرام مطلق، مکروہ تحریمی، مکروہ۔ انہیں آٹھ قسموں
میں تمام ما جاء بہ النبی محدود ہے۔ کوئی چیز اس محدود سے قدم
باہر نہیں رکھ سکتی جس بدعت کو جناب سرور عالم صلے اللہ تعالی علیہ
وسلم نے ما لیس منہ سے تعبیر فرمائی ہے اس سے اسی محدود کا وہ
حصہ مراد ہے جو اقسام نواہی یعنی حرام مطلق، مکروہ تحریمی، مکروہ سے
متصور، اور اقسام اوامر سے بالکل علیحدہ ہے اس لئے کہ اطلاق
ما لیس من الامر کا اوامر پر ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ جن کو حق تعالی نے
دولت تفقہ سے مالا مال فرمایا ہے ان کو اسی حدیث شریف سے معلوم ہو گیا
کہ ما لیس من الامر کو ما کان من الامر بنا لینا بدعت کی قسم ثانی ہے۔
علیٰ ہذا القیاس اس کے برعکس یعنی ما کان من الامر کو ما لیس من
الامر بنا لینا جرم بدعت سے بری نہیں ہو سکتا۔ اسی بنیاد پر فقہا کا

---

[1] اکثر محدثین نے بجائے منہ کے فیہ روایت کیا ہے اور دونوں کا ماحصل ایک ہے ۱۲ منہ

فتوے ہے کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھنا کفر اور بنا لینا ردت ہے ذالک اس بدعت کو جس پر ما لیس من الامر کا اطلاق عقلاً اور نقلاً ہرگز صحیح نہیں ہے خواہ مخواہ حرام ٹھہراتے ہیں ان حرکتوں سے بری نہیں ہوسکتے اللّٰھم احفظنا منہ اس ماموربہ بدعت کی حقیقت محققین کے نزدیک اقسام اوامر کے تین قسموں میں متحقق ہوتے ہیں۔ اوّل وجوب ہیں اس لئے کہ وجوب کے دو قسم ہیں وجوب عقلی و وجوب نقلی۔ کسی چیز کا شریعت میں قطعی الدلالۃ اور ظنی الثبوت یا بالعکس یعنی ظنی الدلالۃ و قطعی الثبوت ہونا وجوب نقلی ہے، جیسے علم دین کا حاصل کرنا۔ اور وجوب نقلی کا موقوف علیہ ہونا وجوب عقلی ہے جیسے علم دین کے لئے علم صرف و نحو کا پڑھنا یا تکمیل دین کے لئے مذاہب اربعہ سے کسی مذہب کا مقلد ہونا۔ دوم استحباب ہیں اس لئے کہ استحباب کے بھی دو قسمیں متصور ہیں۔ ایک وہ کہ جس کا ممدوح ہونا جزئی طور پر ثابت ہو۔ دوسرے وہ کہ جزئی طور پر ثابت نہ ہو بلکہ داخل ہو اس کلی میں جو عند الشرع ممدوح ہو۔ سوم اباحت ہیں اس قسم میں تمام معاشرات و عادات بشری داخل ہیں اور ہر معاشرت اور ہر عبادت پر اس بدعت کا اطلاق صحیح ہے جو ما لیس من الامر کے مفہوم سے علیحدہ اور ما کان من الامر کے معنی میں داخل ہے اسی تحقیق کے موافق شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے سوالات [illegible] فرمایا ہے کہ بدعت کے پانچ قسم ہیں، اول بدعت [illegible] جس کا وجوب عند القیاس ثابت ہے۔ دوم

بدعت مستحبہ یعنی وہ بدعت جس کا استحباب اس کلی کے ضمن میں متصور ہے جو عند الشرع ممدوح ہے۔ سوم بدعت مباحہ یعنی وہ بدعت جو محض نواہی میں داخل نہ ہونے سے ماموربہ سمجھی گئی ہے۔ چہارم بدعت مکروہہ یعنی وہ بدعت جو مکروہ سے پیدا ہے۔ پنجم بدعت محرمہ یعنی وہ بدعت جو حرام یا مکروہ تحریمی سے پیدا ہے۔ ان اقسام خمسہ سے تین قسموں یعنی بدعت واجبہ و بدعت مستحبہ و بدعت مباحہ کو اصطلاح علماء میں بدعت حسنہ کہتے ہیں اور بدعت محرمہ و بدعت مکروہہ کو بدعت سیئہ۔

سوال (۳)

کیا کل بدعتیں حرام نہیں ہیں؟

جواب (۳)

جب خود جناب سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کل بدعۃ ضلالۃ کے کلیہ کو ارشاد فرمایا ہے تو کسی مسلمان کو کل بدعتوں کے حرام ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ حدیث شریف کل بدعۃ ضلالۃ میں لفظ بدعت سے لغوی معنی مراد لیا جاتا ہے یا اصطلاحی اگر لغوی معنی مراد لیا جاتا ہے تو کفر و شرک کے معنی بھی لغوی مراد لینا چاہیئے اور ہر شے کے انکار پر حق ہو یا ناحق کفر کا فتوے دینا چاہیئے اور دو چیزوں کو ملا دینے پر حرام ہو یا حلال شرک کا حکم دینا چاہیئے حالانکہ کسی نے آج تک ایسا وحشیانہ حملہ دولت اسلام پر نہیں کیا۔ اور اگر اصطلاحی معنی مراد لیا جاتا ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ وہ

اصطلاح شارع علیہ السلام سے منقول ہے یا غیر سے۔ اگر محض غیر سے منقول ہے تو بمقابلہ اُس اصطلاح کے جو خاص شارع علیہ السلام سے منقول ہے ہرگز قابلِ اعتبار متصور نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض فقہا کو تسامح واقع ہوا کہ بدعت کی تعریف میں صحت نقل حدیث کی شرط کو داخل کر کے یوں تحریر فرمایا ہے کہ بدعت اُس کو کہتے ہیں کہ جس کا حدوث بعد قرونِ ثلاثہ ہوا ہو حالانکہ یہ اصطلاح شارع علیہ السلام سے منقول نہیں ہے۔ شارع علیہ السلام سے جو اصطلاح منقول ہے وہ اسی کلیہ کے پیشتر ساتھ ہی ساتھ مذکور ہے یعنی فرمایا جناب سرورِ عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ کل محدث بدعة اور محدث کی حقیقت معلوم ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احداث سے احداث ما لیس من الامر مراد لیا ہے۔
جب احداث کا اصطلاحی معنی خود شارع علیہ السلام سے مقرر ہو گیا تو یہ واہمہ بالکل غلط ٹھہرا کہ بدعت کے معنی میں لغوی معنی بھی داخل ہے جو لوگ بدعت کو باعتبار معنی لغوی کے حسنہ و سیئہ کی طرف تقسیم کرتے ہیں اُن کی نظر محض افہام و تفہیم پر رہتی ہے۔ ورنہ شریعت نے یہ موقع نہیں دیا کہ بدعت کو کوئی اصطلاحات ادا امر سے مقرر کر سکے۔ یہی منشا ہے کہ جب اُس بدعت کو لکھتے ہیں جو افراد ادا امر سے ہے تو خواہ مخواہ ادا امر سے متصف کر دیتے ہیں اور جب اس بدعت کو لکھتے ہیں جو اصطلاحات ادا امر سے ہے تو لفظ سیئہ سے متصف کرنے کی ضرورت

نہیں سمجھتے۔ صرف لفظ بدعت پر اکتفا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ اصطلاح اخیرہ یعنی بدعت مطلقہ سے بدعت سیئہ مراد لینا شارع علیہ السلام سے منقول ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

سوال (۴)

باعتبار معنی لغوی بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی طرف عقلی ہے یا نقلی؟

جواب (۴)

بدعت کی تقسیم حسنہ اور سیئہ کی طرف عقلی و نقلی دونوں ہے۔ عقلی تقسیم کی صورت یہ ہے کہ افہام و تفہیم کی غرض سے بد کو معنی لغوی میں لے کر محض عروض حرمت کا اعتبار کیا اور عروض حرمت کا اعتبار کرتے ہی بدعت دو قسم پر منقسم ہو گئی۔ ایک وہ بدعت جس کو شارع علیہ السلام نے حرام کیا ہے۔ دوسرے وہ بدعت جس کو شارع علیہ السلام نے حرام نہیں کیا ہے۔ جس کو شارع علیہ السلام نے حرام کیا ہے اُس کو فقط بدعت یا بدعت سیئہ کہتے ہیں۔ اور جس کو حرام نہیں کیا اُس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں۔ اور نقلی تقسیم کی صورت یہ ہے کہ جب جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کی بیس رکعتوں کو جاری کیا تو ارشاد فرمایا کہ نعم البدعة یعنی بدعت حسنہ کا استحسان لفظ نعم سے ظاہر فرمایا۔ جیسا کہ تمام کتب احادیث میں مذکور ہے۔ اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ بدعت

بمعنی لغوی کو حسنہ و سیئہ کی طرف تقسیم کرنا سنت فاروقی ہے۔ اور موافق مضمون حدیث شریف علیکم بسنتی و سنۃ خلفاء الراشدین کی سنت فاروق عین سنت نبوی ہے۔ اور اس کے ضمن میں یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم کے علم میں جناب سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احداث سے جو حدیث مذکورہ بالا میں داخل ہے احداث ما لیس من الامر مراد لیا تھا۔ اس نظر عمیق سے نہایت وثوق کے ساتھ پتہ چلتا ہے کہ خود جناب سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احداث کو بمعنی لغوی اختیار فرما کر بدعت سیئہ کو ما لیس من الامر سے ظاہر فرما دیا۔

سوال (۵)

بدعت کے حُسن و قبح کو دریافت کر کے اُس کو مامور بہا یا منہی عنہا قرار دینا کس کا کام ہے؟

جواب (۵)

مدارج مجتہدین سے ہر مجتہد کا کام ہے۔ حتیٰ کہ مجتہد فی الکتاب بھی مستحسنات و مباحات کا استخراج احکام کلیہ سے کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ مجتہد فی الکتاب بوئے خروج و رفض و توہب وغیرہ سے پاک ہو۔ اور علمائے زمانہ نے اُس کے اجتہاد کو بلا خلاف تسلیم کر لیا ہو اگر مجتہدوں کو ایسا وسیع میدان استخراج مسائل کا نہ دیا جائے گا تو امریکہ کے مسلمانوں کو اُن عادات و معاشرات کی حلت و حرمت معلوم

نہیں ہو سکتی جو دیگر ممالک اسلامیہ کے معاشرات و عادات میں داخل نہیں ہیں۔ اس توسیع مرتبۂ اجتہاد کی بنیاد پر مسلمانان ہند اپنے بعض معاشرات و عادات کی حلت و حرمت دریافت کرنے کے لئے علمائے عرب و عجم کے محتاج نہیں۔ فقط مجتہدین ہند مثل حضرت شاہ عبد الحق محدث دہلوی و شاہ عبد العزیز و مولانا عبد الحی لکھنوی وغیرہ کا اجتہاد کافی ہے۔ ہاں اگر کسی مسئلہ میں ان مجتہدوں نے اختلاف ہے تو مجوز کا قول بمقابلہ منکر کے مفتیٰ بہ سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ مستحسنات و مباحات میں مجتہدوں کی نظر وجوہ حرمت و کراہت پر رہتی ہے۔ جب حرمت و کراہت کے وجوہ سے کوئی وجہ نہیں پاتے تو حکم جواز کا دیتے ہیں یا مضائقہ ندارد یا قباحتے نیست لکھ کر اس بات سے مطلع کرتے ہیں کہ ہم نے اس مسئلہ کی نسبت تمام وجوہ حرمت و کراہت پر نظر ڈالی ہے اور کوئی ایسی وجہ نہیں پائی۔ اور جو لوگ ایسے محل میں یہ لکھتے ہیں کہ شریعت ساکت ہے یا شرع شریف میں ثابت نہیں ہے یا شریعت میں لا اصل لہ ہے وہ وہابیوں کی تقلید کرتے ہیں۔ اس لئے کہ سکوت شریعت و عدم ثبوت مفید حرمت نہیں بلکہ مفید اباحت ہے۔ اسی سے مستحسنات و مباحات میں منکرین کا انکار ساقط الاعتبار سمجھا جاتا ہے۔

سوال (۶)

حنفیوں اور وہابیوں میں اختلاف کیوں ہے؟

جواب (۶)

جب عہد خلافت جناب صدیق اکبرؓ و جناب فاروق اعظمؓ و جناب ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اسلام کا ستارہ اقبال عرش ترقی پر معراج گزین تھا تمام امور خلافت و رموز مملکت و اشاعت اسلام و تعلیم مختلف الاقوام کے متعلق جو روزانہ مستحسنات و مباحات کے نئے نئے مسئلے پیش آتے تھے اُن سب کے احکام کا دار و مدار اصحاب کبار خصوصاً خلفائے ثلاثہ کی اُس قوت تفقہ و زور اجتہاد پر تھا جو جناب سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیضان صحبت و برکات تربیت سے پیدا تھا۔ اس زمانہ مقدس کے فتووں کا ذخیرہ علماء مدینہ کے ہاتھ لگا اور جب زمانہ خلافت جناب اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالےٰ وجہہ میں دار الخلافہ کوفہ مقرر ہوا تو اُس زمانہ متبرک کے فتووں کا مجموعہ علمائے کوفہ کے ہاتھ لگا علمائے مدینہ میں حضرت امام مالک برگزیدہ اور سربرآوردہ تھے اس لئے ان کا مذہب مالکی کے نام سے مشہور ہوا اور علمائے کوفہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کوفی مقدس اور نامآور تھے اس لئے اُن کا مذہب حنفی کے نام سے مشہور ہوا۔ علمائے مالکیہ اُن احکام سے بھی مطلع تھے جن کو ایک خلیفہ کے بعد دوسرے خلیفہ نے ضرورت وقت کے لحاظ سے منسوخ کردیا تھا۔ لیکن خلیفہ چہارم

کے منسوخ کردہ احکام سے بسبب عدم شہرت کے علمائے مدینہ آگاہ نہ تھے۔ علیٰ ہذا القیاس مدینہ کے بعض ناسخ و منسوخ احکام سے علمائے حنفیہ بھی آگاہ نہ تھے۔ اسی سبب سے دونوں مذہبوں کے مسائل جزئیہ میں اختلاف کی صورت پیدا ہوئی، اس اختلاف کو رفع کرنے کے لئے دونوں اماموں نے نہایت عرق ریزی کے ساتھ مسائل فقہیہ کی احادیث صحیحہ سے تطبیق و توفیق شروع کی لیکن تمام سعی ناتمام رہی، وجہ یہ تھی کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے محض جناب اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ و حضرت عبد اللہ ابن مسعود انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور اُن کے تلامذہ کو کہ یہ حضرات جامع تھے فتاوائے مدینہ و کوفہ کے اور واقف تھے تمام احکام و احوال زمانہ رسالت و خلافت راشدہ سے اپنی صحت حدیث کا مرجع و منتہیٰ مقرر کرلیا تھا۔ اور امام مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بالکل اس کے بالعکس کیا تھا۔
اختلاف رائے رفع ہوتا تو کیونکہ ہوتا۔ آخر کار دونوں مذہبوں کا اختلاف جو مستحسنات و مباحات کے محض مسائل جزئیہ میں تھا اختلاف العلماء رحمۃ کے اندر سمجھ لیا گیا۔ اور اسی اختلاف کے ساتھ دونوں مذہب منازل ترقی کو طے کرتے گئے۔ مگر افسوس کہ اس زمانہ تحقیق و تدقیق و طے منازل ترقی میں بہتر مذاہب باطلہ پیدا ہوگئے تھے جن کو فقہ مالکی و حنفی سے کوئی مدد نہیں ملتی تھی۔ جب ان دونوں مقدس و متبرک فقہ سے مطلب برآری نہ کرسکے تو مجددانہ لباس میں صورت نما ہو کر

وضع احادیث میں وہ دستگاہ حاصل کی کہ اپنے تراشے خرادے مذہب کو
اپنی احادیث موضوعہ سے سڈول اور خوشنما کر کے ایک عالم کو اپنا
دلدادہ و فریفتہ بنا لیا۔ جب اُن کے مذہب کا ڈھانچہ تیار ہوا تو در کنار
آفت یہ ٹوٹ پڑی کہ مالکیہ اور حنفیہ مذہب کے محدثوں کو ثقات سے
حدیث کی صحت دشوار ہو گئی اور احادیث موضوعہ کا ثقہ و غیر ثقہ
دونوں کے زبانوں پر گذر ہو گیا۔ اسی پُر آشوب زمانہ میں امام شافعی
نے فقہ حنفی و مالکی کی نہایت احتیاط کے ساتھ دوبارہ احادیث صحیحہ
سے تطبیق و توفیق شروع کی جس سے ایک تیسرا مذہب شافعیوں کا پیدا
ہو گیا۔ اس مذہب میں فقہ مالکی کا بہت زور ہے، وجہ یہ ہے کہ
امام شافعی بہ سبب مدنی ہونے کے فقہ مالکی کے مغز سے آگاہ تھے
اور فقہ حنفی کے رموز سے بالکل مطلع نہ تھے۔ اس نقص کے رفع
کرنے کے لئے حضرت امام شافعی کے شاگرد ارشد امام احمد بن
حنبل تیار ہو گئے جس سے چوتھا مذہب بھی پیدا ہوا۔ چونکہ ان
چاروں مذہبوں کا اختلاف محض مستحبات و مباحات کے مسائل
جزئیہ میں متحقق ہے اس لئے چاروں کا برگزیدہ و مقبول ہونا
مسلّم ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل کی مسند دیکھنے سے معلوم
ہوتا ہے کہ امام صاحب موصوف نے اکثر مسائل جزئیہ
میں امام اعظم کی طرف رجوع فرمایا ہے اور انھیں امام احمد بن
حنبل کی برگزیدگی اور قبولیت دیکھ کر تدوین احادیث صحیحہ کا شوق اکثر

محدثوں نے پیدا کیا۔ چنانچہ امام بخاری بھی امام صاحب موصوف کے
شاگردوں اور دیکھنے والوں سے تھے۔ جنہوں نے صحیح بخاری
کی تدوین نہایت احتیاط سے کی لیکن افسوس یہ ہے کہ امام
بخاری نے باوصف تقلید امام شافعی کے کسی مذہب کی تحقیقی روش
کو اپنی ذاتی تحقیقات کا نشانہ بنایا۔ اسی طرح امام مسلم بھی ہر مذہب
کی تحقیق آب و تاب سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ علی ہذا القیاس
امام ترمذی، ابوداؤد، نسائی ابن ماجہ وغیرہ بھی نقل احادیث میں
امام بخاری و امام مسلم کے مقلد رہے۔ ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ توبہ توبہ
ائمہ محدثین نے کوئی بُرا کام کیا بلکہ یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ کیا وہ آئندہ اسلام
کے لئے مضر ثابت ہوا یعنی اُن کی وہی ذاتی تحقیقات محدثوں کے
جھرمٹ میں مضبوط ہوتے ہوتے اُن کے دلوں میں غیر مقلدانہ خیالات
پیدا کرنے لگی۔ حتّٰی کہ اُن خیالات کا اثر مذاہب اربعہ میں پہنچ کر
کتب فقہ میں اندھا دھند مچانے لگا۔ اسی تلاطم میں رفتہ رفتہ ابن تیمیہ
کا ظہور ہوا۔ اور اُس نے عدم تقلید کی بنیاد دنیا میں ڈال دی۔
ہنوز بنیاد ہی بنیاد تھی کہ قاضی شوکانی جیسے پیدا ہو گئے، اور اُس
کی بنیاد کو خوب مضبوط کر دیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ بدون تائید الٰہی
کے کسی مذہب کی اشاعت کیونکر ہو سکتی ہے۔ اشاعت تو نہ ہوئی مگر
اس کا اثر ابن عبدالوہاب نجدی تک نجد میں قائم رہا۔ جس نے نہایت
فیاضی سے اس کو امام الوقت بننے کا حوصلہ مرحمت کیا۔ حوصلہ پاتے

ہی خدم وحشم ہمراہ لے کر مکۃ مکرمہ و مدینہ منورہ پر ملاتے پے دریاں کی
طرح ٹوٹ پڑا۔ خیریت یہ گزری کہ سلطان وقت نے اُس کا مقابلہ کر کے
اُس کو تہ تیغ کیا۔ اور اوروں کو کان ناک کاٹ کے نکال دیا۔
اُس کے تصنیفات کو آگ میں پھونک کر خاک و سیاہ کر دیا۔ ورنہ
اس کی نیت تھی کہ مسجد نبوی کو مسمار و قبۂ اطہر کو صنم اکبر قرار
دے کر بے نشان کر دے۔ اسی واقعۂ ہولناک کے
قریب مولوی اسمٰعیل دہلوی غیر مقلد نے خروج کیا۔ اور ابن عبدالوہاب
نجدی کی ایک کتاب یعنی کتاب التوحید جو نہیں معلوم کس وجہ سے
محفوظ رہ گئی تھی، مولوی صاحب مذکور کے ہاتھ لگی۔ یہاں دہلی میں
مولوی صاحب کے جد امجد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی محدثانہ
چال ڈھال سے پہلے ہی سے لوگوں کو توہب کا دلدادہ بنا رکھا تھا۔
کتاب التوحید کے پہونچتے ہی دہلی میں عدم تقلید نے ایسا زور پکڑا کہ
رفتہ رفتہ بڑی بڑی ریاستیں مثل بھوپال و ٹونک وغیرہ کے اس
کی مقبوضہ ہو گئیں۔ ان ریاستوں سے مختلف صورتوں میں توہب
ظہور پذیر ہو کر تمام ہندوستان کی سیر کرنے لگا۔ اس دوڑ دھوپ
میں اس کی خوش نصیبی سے دیوبند کا مدرسہ ہاتھ آیا۔ اب یہ حال
ہے کہ اُس مدرسہ میں پہونچا فوراً توہب کے سانچے میں ڈھال دیا گیا
تخریب دین وہاں کے ننھے ننھے بچوں کا کھیل ہے، بربادی احناف
وہاں کے چھوٹے چھوٹے لڑکوں کا ادنیٰ تماشہ ہے۔ وہ وہ مسئلے سُوجھتے

ہیں کہ شیخ نجدی کے جد امجد کو بھی نہ سُوجھے ہوں گے۔ آج امکان کذب
باری تعالیٰ و امکان نظیر کے مسئلے چھیڑتے ہیں۔ کل نبوت و رسالت
کی تنقیص مراتب میں کوشش کی جاتی ہے۔ ایک جناب غوث الثقلین
کے دربار میں گستاخیاں کر رہا ہے۔ دوسرا خواجۂ خواجگان کی خدمت میں
بے باکیاں۔ خدا نخواستہ اگر عقائد کی اُدھیڑبن سے تھوڑی دیر ساکت
رہ کر اعمال کی طرف جھکے تو آج سُود حلال کیا جاتا ہے۔ کل جوازِ شُود
کی فکر کی جاتی ہے۔ سُنا گیا ہے کہ مینڈک تو درکنار گُوہ کھانے کی
اجازت دی جاتی ہے۔ کبھی خبر آتی ہے کہ متعہ اور تقیہ جائز کرنے کی
تدبیر کی جاتی ہے۔ غرض عقائد ہو یا اعمال جس طرف مائل ہوتے اُس
کی ایسی خبر لی کہ الامان والحفیظ۔ لیکن احناف کے قلوب فقط عقائد
کے خبر لینے سے دُکھتے ہیں۔ اگر متبعین شیخ نجد عقائد حقہ کے مٹانے سے
باز رہتے، تو فقط اعمال مختلف فیہ کے درہم برہم کرنے سے احناف
میں اتنی بے چینی نہ پھیلتی۔ اگرچہ نجدیوں کو یہ اقرار کرنا سخت دشوار
ہے کہ عقائد اسلامیہ کی دولت پر ہم ڈاکے پر ڈاکے مار رہے ہیں کیونکہ
اپنا عیب کسی کو نظر نہیں آتا۔ لیکن جب سر بہ گریباں ہو کر
تھوڑی دیر غور کریں گے تو یہ امر مثل آفتاب کے روشن
ہو جائے گا کہ بے شک یہ ہماری ناشائستہ حرکت
زمرۂ احناف میں بے امنی کا سبب ہے۔ واللہ ثم باللہ اسی
بے امنی سے زمرۂ احناف کو آج یہ روزِ سیاہ دیکھنا پڑا کہ بیچارے

اپنے اپنے پیران سلسلہ کی تحقیر و تضحیک کا ہولناک منظر اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور خون جگر پی کر رہ جاتے ہیں اور دن رات وہابیوں کے ہاتھ سے اے توبہ بلکہ نجدیوں کے اُس شمشیر زبان سے جس میں کافر و مشرک و بدعتی بنانے کا جوہر ہے زخمی ہوتے ہیں اور فلک کج رفتار و چرخ جفا شعار کو دیکھ کر رو دیتے ہیں یہ تو عوام کا حال ہے خواص کا حال اس سے زیادہ افسوسناک ہے اس لئے کہ دو دو مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ادھر عوام احناف پر دست شفقت رکھنا اُدھر نجدیوں سے خم ٹھوک کر مناظرہ کرنے کو تیار ہونا۔ اگر اسی عذاب میں وہابیوں کی جان پڑ جاتی تو اشاعت کتب عقائد باطلہ کا موقع اُن کو نہ ملتا۔ میرے خیال میں اسی اشاعت سے وہابیوں کو تھوڑی بہت کامیابی حاصل ہوئی یعنی عوام احناف کو وہابیوں کے منہ سے صحاح ستہ کے اسما سنتے ہی اپنا مذہب کمزور نظر آنے لگا، حالانکہ مذاہب اربعہ دلائل اربعہ سے مضبوط و مستحکم ہیں۔ اس موجودہ حالت کو سمجھ بوجھ کر ہر شخص یہ رائے قائم کر سکتا ہے کہ حنفیوں اور وہابیوں میں اختلاف پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہابیوں نے جامعین فن حدیث کو اپنے مدعا کے موافق پا کے اور کتب فقہ کے بعض تسامحات سے استمداد کا موقع دیکھ کے مذہب ابن تیمیہ و قاضی شوکانی و محمد بن عبد الوہاب نجدی کے احداث کا بیڑا اٹھایا ہے اور حنفیوں نے تھوڑی بہت اُس کی روک ٹوک کی اسی حالت

میں علمائے احناف نے اُن مسائل کی خوب اچھی طرح چھان بین کر دی جن پر فرقہ نجدیہ کے عقائد ضالہ کا اثر پڑتا تھا۔ اور حقیقت میں عقائد حقہ سے تعلق رکھتے تھے جیسے قیام مولود شریف و جواز فاتحہ مروجہ وغیرہ۔ چونکہ اس وقت ہماری گفتگو جواز فاتحہ میں ہے۔ اس لئے تمام مسئلوں کو چھوڑ چھاڑ کر جواز فاتحہ کے متعلق اس قدر کہنا اور مناسب سمجھتے ہیں کہ فاتحہ مروجہ کی حرمت ادلۂ اربعہ سے ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس مسئلہ میں وہابیوں کی مخالفت شاید اس بنیاد پر ہے کہ احناف کو ارواح اولیاء و شہداء سے استفادہ و استعانت کا موقع باقی نہ رہے۔

سوال (۷)

اگر فاتحہ مروجہ کو عقیدۂ باطلہ کا ایہام عارض ہو تو وہ واجب الترک یا نہیں؟

جواب (۷)

ما نحن فیہ میں ایہام کا عارض ہونا نفس الامر کے بالکل خلاف ہے کوئی عقل سلیم تسلیم نہیں کر سکتی کہ کسی عقیدۂ باطلہ کے باعث بانی نے فاتحہ مروجہ کو رواج دیا ہے۔ اور اگر ایہام کا ظہور زمانہ بنائے فاتحہ مروجہ کے بعد ہوا ہے تو اس مقام پر عقیدۂ باطلہ کا ثبوت محال ہے جہاں تک استقرا کیا جاتا ہے ارواح اموات کے بارے میں تمام اہل اسلام کا یہ اعتقاد پایا جاتا ہے کہ ارواح عامہ مسلمین سے

ارواح صالحین کو اور ارواح صالحین سے ارواح شہدا کو اور ارواح شہدا سے ارواح صدیقین کو اور ارواح صدیقین سے ارواح انبیا و مرسلین کو اور تمام انبیا و مرسلین سے روح پر فتوح جناب سرور عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو زیادہ تر انبساطی حالت حاصل ہے۔ اور یہ اعتقاد نہ عقل کے خلاف ہے نہ نقل کے کما صرح بہ المحققون جب عقل و نقل کے خلاف یہ اعتقاد نہ ٹھہرا تو اس عقیدۂ حقہ کا ایہام اگر فاتحہ مروجہ کو عارض ہے تو وہابیوں کا کیا بگڑتا ہے جو خواہ مخواہ اس کے عدم جواز کے لئے کمربستہ تیار ہیں۔ اور اگر وہابیوں کے نزدیک یہ عقیدہ، عقیدۂ باطلہ ہے تو احناف کو اظہار عقیدۂ مذکورہ کی غرض فاتحہ مروجہ کو مستحسن و مستحب سمجھنا چاہیئے۔

الحاصل جب تک فاتحہ مروجہ میں ایہام عقیدۂ باطلہ کا عروض ثابت نہ ہو فاتحہ مروجہ واجب الترک کیونکر ہو سکتا ہے۔ جنہوں نے فاتحہ مروجہ کے عدم جواز پر حدیث شریف من تشبہ بقوم فھو منھم سے استدلال کیا ہے، وہ حدیث شریف کے محقق معنی سے دور چلے گئے ہیں۔ تمام علمائے فقہ کا اتفاق ہے کہ من تشبہ کا اطلاق بغیر وجود قصد و ارادہ کے کسی شے پر صحیح نہیں ہو سکتا۔ فاتحہ مروجہ میں ہرگز تشبہ مقصود و مراد نہیں ہے۔

سوال (۸)

یہ اعتقاد رکھنا کہ ارواح اموات وقت فاتحہ خوانی کے ماکول و مشروب سے متلذذ ہوتی ہے حق ہے یا باطل۔

جواب (۸)

بادی النظر میں اس سوال سے دو بحثیں قائم ہوتی ہیں اوّل مجیئۃ الروح عند ایصال الثواب دوم تلذذ الروح من الماکول والمشروب لیکن جب امعان نظر و دقت بصر سے کام لیا جاتا ہے تو دونوں بحثوں کا منشا ایک ہی معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سائل پوچھتا ہے کہ جن امور کا کالبد عنصری سے عالم حیات میں تعلق رہتا ہے بعد ممات کے محض روح سے اُن کا تعلق ثابت ہے یا نہیں۔ میرے نزدیک جو لوگ سوال و جواب نکیرین و فشار قبر و عذاب گور و ادراک آواز السلام علیکم یا اہل القبور و دیگر مسائل متعلق عالم برزخ پر غور کرنے سے عاجز نہیں ہیں، وہ یقین کریں گے کہ بے شک بعد ممات کے روح کی قوت ادراکیہ بدون تعلق آلات جسمانی و اعضائے عنصری کے اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ ہر فعل و ہر شے کی کیفیت منکشف ہوتی ہے۔ اگر یہ اعتقاد نہ رکھا جائے گا تو تمام مسائل عالم برزخ کے بے نام و نشان ہو جائیں گے۔ طرفہ یہ ہے کہ عقل بھی ان مسائل شرعیہ کی رہنما ہے۔ اس لئے کہ تمام عقلا نے تسلیم کر لیا ہے کہ جسم کثیف سے جسم لطیف کی قوت زیادہ ہوتی

ہے۔ جب ارواح عامۂ مسلمین کے لئے یہ قوت دراکہ عقلاً و نقلاً مسلم ہے تو ارواح صالحین و شہدا و صدیقین و انبیا کا کیا کہنا ہے۔ خود حق سبحانہ و تعالیٰ شہدا کی شان میں فرماتے ہیں بل احیاءٌ ولکن لا تشعرون اور بل احیاء عند ربھم یرزقون ۔

جب طبقۂ شہدا کی قوت دراکہ کا یہ حال ہے کہ اطلاق احیا کا ان پر بالنص ثابت ہے تو صدیقین اور انبیا کے طبقات جو طبقۂ شہدا سے بالاتر ہیں، حصول قوت دراکہ میں نقص سے کیونکر بہ نسبت طبقۂ شہدا کے بالاتر متصور نہ ہوں گے۔ الحاصل اگر استبعاد مجیبہ و تلذذ روح کا صرف اس بنیاد پر ہے کہ بعد ترک قالب خاکی کے محض روح سے افعال جسمانی کا تعلق ہونا بادی النظر میں غیر محقق ہے تو بدایت نظر کے فرضی اور وہمی میدان سے الگ تھلگ ہو کر انھیں مسائل شرعیہ کو پیش کرتے ہوئے یہ کہیں گے کہ بے شک ارواح اموات ایصال ثواب کے وقت اپنی قوت دراکہ کی بدولت محظوظ ہوتی ہیں کہ اس میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ ہم اس کو استعارتاً ان الفاظ سے کہہ سکتے ہیں جن کو واضعین نے محض افعال بشری کے لئے موضوع کئے ہیں۔ وہ سر البستان قال کے رہنے والے جو نور س حال سے بھی متلذذ ہو کر اسلام کے سچے شیدائی بنے ہیں۔ شہدا و صدیقین و انبیا کی قوت دراکہ سے یہ نتیجہ پیدا کر سکتے ہیں کہ بے ایصال ثواب کے وقت ارواح طبقات عالیہ کی [illegible] باعث نزول برکات و انوار وجدانی ہے، اس

بنیاد پر طبقات عالیہ کے فاتحہ کی شیرینی تبرک ہونے سے علیحدہ نہیں رہ سکتی اور باوصف ان براہین قاطعہ کے اگر کسی نجدی کا دماغ ان انوار حقانیت کی ادراک سے عاجز ہے تو سوال مذکورہ کے جواب میں ہمیں یہ کہنا خلاف نہیں ہے کہ سائل کا سوال نفس الامر سے بالکل علیحدہ ہے، افراد اسلام سے کوئی فرد اس بات کا کہنے والا نہیں ہے کہ وقت فاتحہ خوانی کے خواہ مخواہ روح ہماری طرح آتی جاتی ہے یا کھاتی پیتی ہے۔ یہ سب نجدیوں کا بہتان ہے۔

سوال (۹)

عبادت مالی و بدنی کا ثواب اموات کو ملتا ہے یا نہیں؟

جواب (۹)

یہ مسئلہ اہل حدیث میں کبھی مختلف فیہ نہ تھا اور نہ ہے جمہور محدثین کا ہمیشہ اتفاق رہا کہ عبادت مالی و بدنی کا ثواب اموات کو ملتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس عبادت مالی کا ثواب اموات کو پہنچنا عند الفقہا بھی مختلف فیہ نہیں ہے۔ ہاں شروع شروع زمانے میں فقہا کے نزدیک عبادت بدنی کا ثواب مختلف فیہ تھا لیکن بہت جلد اختلاف رفع ہو گیا اور جمہور فقہا کا اتفاق ہو گیا کہ عبادات مالی کی طرح عبادات بدنی کا ثواب بھی اموات کو ملتا ہے، جب ایصال ثواب بالکلیہ مشروع و مستحسن ہے تو اس

کا عوض جس فصل و جس صورت مباح کو ہوگا اُس کا استحسان اگر بفرض محال جا نا رہا تو اباحت کیونکر جاتی رہے گی۔ جو لوگ تعین و تخصیص والتزام و اہتمام کے وجہ سے خواہ مخواہ اس فاتحۂ مروّجہ کو حرام کہتے ہیں، تو یہ رائے محدثین یا فقہا کی اور آداب و ظائف و اذکار و اشغال وغیرہ ہیں لینے سے کس کس چیز کو حرام کہیں گے،

معاذ اللہ انھیں خیالات کا یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ آج اشغال و اذکار سے انکار کیا، کل تقلید سے علیحدہ ہوتے۔ غرض روز ایک نہ ایک نفس پرستی کے دام میں پھنس کر اُس صراطِ مستقیم سے بالکل علیحدہ ہو گئے جس میں فقہا اور محدثین کے سوائے اولیائے عظام و مشائخ کرام کی جھرمٹ کا خوشنما منظر انوارِ حقانیت کے رنگ روپ دِل لُبھانے کو تسخیر کا نقشہ کھینچ رہا ہے۔ اس مقام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ باوصف اس علم کے کہ فاتحۂ مروّجہ کے جواز پر تمام احناف ہندوستان کا اتفاق ہے اور بعض مجتہدین ہندیہ نے اُس کو جواز کا فتوےٰ بھی دے دیا التزام و اہتمام وغیرہ کی وجہ سے فاتحۂ مروّجہ کو حرام کہتے ہیں، بے شک انھوں نے عدم تقلید کے جرم کو آسان سمجھ لیا ہے۔ اور اپنا قدم تو سب کے پہلے زینے پر رکھ دیا ہے۔ قریب ہے کہ مراقبات و مکاشفات اولیاء اللہ سے انکار کریں اور رفتہ رفتہ دربارِ

رسالت میں پہونچ کر تمام عقائد اسلامی کے جواہر کو تیتر بتر کر دیں نعوذ باللہ من ذالک۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے گروہ مانع بالخیر کو جو ایصال ثواب کا طریقہ بدون کسی دلیل شرعی کے بند کرے، غیر مقلد اور وہابی کہنا نامناسب نہیں، بلکہ مناسب اور انسب ہے

سوال (١٠)

فاتحۂ مروّجہ یعنی ماکول یا مشروب سامنے رکھ کر آیات قرآنی یعنی درود شریف و سورۃ فاتحہ وغیرہ پڑھنا اور اس کا ثواب مُردوں کو پہونچانا جائز ہے یا نہیں۔؟

جواب (١٠)

جائز ہے اور جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جہاں تک غور کیا جاتا ہے صورت اس عمل خیر کی عبادت مالی و عبادت بدنی دونوں سے مرکّب پائی جاتی ہے اور ترکیب دونوں عبادتوں کی نامشروع نہیں اس لئے کہ اجتماع دو عبادتوں کا بعض اوقات میں خود شریعت نے جائز رکھا ہے۔ جیسے کوئی صائم حالت صوم میں زکوٰۃ ادا کرے تو شریعت اُس کو ناجائز نہیں کہے گی، علاوہ بریں جناب امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کا نماز کے اندر کسی مسکین کو انگشتری عطا فرمانا محققین ارباب سیر سے ثابت ہے جب فقدان وجوہ حرمت و کراہت جواز

فاتحہ مروجہ و اجتماع عبادت مالی و بدنی کے لئے کافی ہے تو اس روایت مذکورہ سے اگر جواز کا رخ استحسان کی طرف نہ ہوگا تو خود جواز کیونکر ضعیف و بے اصل ہو جائے گا۔ رہی یہ بات کہ ماکول و مشروب کو سامنے رکھنے کی کیا ضرورت ہے، تو اُس کے جواب میں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ سلب ضرورت جانبین سے ہے نہ سامنے رکھنے کی ضرورت ہے نہ نہ رکھنے کی، جب دونوں برابر ہیں تو دیکھنا یہ چاہیئے کہ مصلحت شرعی یعنی احتیاط و تقوے کس طرف ہے۔ انصاف کے نزدیک قبل از قرأت درود و سورۃ فاتحہ وغیرہ کے مقدار خیرات کو مقرر کر دینا اور قاری کے سامنے رکھ کر پھر اُس سے بالکل بے تعلق ہو جانا اور فوراً اُس کو اپنے محل پر صرف کر دینا یہ سب باتیں مفید احتیاط و تقوے ہیں۔ بخلاف صورت معکوسہ کے کہ اُس میں احتیاط و تقوے کا بالکل لحاظ نہیں ہے۔ الحاصل اگر موصل کو عبادت مالی و بدنی دونوں کا ایصال مدنظر ہے تو ماکول و مشروب کا وقت فاتحہ خوانی کے سامنے رکھنا نہ رکھنے سے اولیٰ و انسب ہے لطف یہ ہے کہ فعل شوائب کفر و شرک سے بھی بالکل مُبرّا ہے جیسے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ کسی عقیدۂ باطلہ کا ایہام اس مقام پر ممکن نہیں ہے اور نہ عقیدۂ باطلہ کا ایہام عند العقل

اہل اسلام کو مقصود ہو سکتا ہے، چونکہ اجتماع عبادت بدنی و مالی سے ایہام کسی عقیدۂ حقہ یا باطلہ کا مقصود نہیں ہے اس لئے باوصف ان مصالح شرعی کے حدود شریعت کو ملحوظ رکھا ہے۔ یعنی افتراقی صورت کی اباحت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ چنانچہ ہندوستانی اسلام کے لوگ اکثر درود و قرآن شریف وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں۔ اور ماکول و مشروب وغیرہ نہ سامنے رکھتے ہیں نہ بغیر سامنے رکھے اہل حقوق کو دیتے ہیں، علےٰ ہذا القیاس اکثر اوقات ماکول و مشروب اہل حقوق کو دے کر یا کھلا کر ایصال ثواب کرتے ہیں۔ اور درود و قرآن شریف وغیرہ نہ پڑھتے ہیں نہ پڑھاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ حالت افتراق میں جو علیحدہ علیحدہ عبادت مالی و عبادت بدنی کی صورت عند الشرع جائز نکلتی ہے وہ بھی معمول ہے اور حالت اجتماع میں ایک صورت عند الشرع حد اباحت سے باہر نہیں ہوتی وہ بھی معمول ہے صرف فرق یہ ہے کہ ہر عمل کے لئے محل جداگانہ ہے اور ظاہر ہے کہ اختلاف محل سے اس مقام پر مسئلہ کی نوعیت میں کوئی فرق بھی نہیں آیا۔ علاوہ بریں عبادت بدنی کا ثواب پہونچنا بسبب مختلف فیہ ہونے کے مشتبہ ہے جیسا کہ پیشتر مذکور ہوا۔ اب جو شخص عبادت بدنی کا

ثواب پہونچانا چاہے اُس کو بمقتضائے احتیاط و تقوے لازم ہے کہ عبادت بدنی و مالی کو مرکب کرے اِس لئے کہ عبادات مرکبہ کا ثواب عند الجمہور پہونچتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عبادت تین قسموں پر منقسم ہے۔ بدنی جیسے نماز و روزہ ۔ مالی جیسے زکوٰۃ ۔ مرکب جیسے حج ۔ اور نیابت و خلافت عبادت بدنی ہیں، عند الشرع جاری نہیں ہے، مالی اور مرکب میں جاری ہے۔ اسی بنیاد پر علیٰ قول المشہور امام اعظم و امام مالک و امام شافعی کے نزدیک محض عبادت بدنی کا ثواب نہیں پہونچتا، صرف امام احمد بن حنبل کے نزدیک پہونچتا ہے۔ جب تین تین اماموں کی رائے متفق ہے تو عبادت بدنی کا ثواب پہونچانے کی غرض سے عبادت مالی کو شریک کر لینا ضرورت شرعی کا مقتضا اور مفید احتیاط و تقوے ہو۔

اب رہی یہ بات کہ جس چیز پر فاتحہ ہوتا ہے اُس کا کھانا بنی ہاشم و اغنیا کو بھی جائز ہے یا نہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شریع شریف میں دعوت کے تین اقسام ہیں۔ دعوتِ ہدیہ، دعوتِ ضیافت، دعوتِ صدقہ ۔

دعوت ہدیہ محض بنی ہاشم و غنیا کے واسطے ہے اور دعوت صدقہ محض مساکین و غربا کے واسطے اور دعوت ضیافت میں ہدیہ اور دعوت صدقہ دونوں داخل ہیں۔ فاتحہ مروّجہ میں تینوں دعوتوں کا

رواج ہے۔ انبیا علیہم السّلام و صدیقین و شہدا و صلحا کے فاتحہ میں دعوت ہدیہ و دعوت ضیافت معمول ہے اور عامۃ مسلمین کے فاتحہ میں دعوت ضیافت و دعوت صدقہ معمول ہے۔ جو لوگ فاتحہ کی چیزوں کو خاص مساکین کا مقصود کرکے اغنیا کو اُس کے استعمال سے روکتے ہیں وہ شریعت حقہ کو اپنے دامن تعصب میں چھپاکر اپنے مذہب باطلہ کی حمایت کرتے ہیں الحاصل مقلدین کو اس فاتحہ مروّجہ کے جواز میں کسی طرح تشکک نہ کرنا چاہیئے۔ اس لئے کہ جواز فاتحہ مروجہ پر مشاہیر علما کا قولاً و فعلاً عمل ہے۔ چنانچہ تمام علمائے فرنگی محل عملی طور پر فاتحہ مروّجہ کے ہمیشہ سے پابند ہیں۔ مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب کانپوری فاتحہ پیران پیر میں بڑا اہتمام اور مبالغہ کرتے تھے مشہور ہے۔ مولانا مفتی عنایت احمد صاحب بھی فاتحہ مروّجہ کو ناجائز نہیں فرماتے تھے۔ مولانا حیدر علی صاحب نے جا بجا تصنیفات میں لکھا ہے کہ فاتحہ مروّجہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب بھی جائز فرماتے ہیں۔

جناب شیخ المفسرین خاتم المحدثین شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی نے در بارۂ جواز فاتحہ مروجہ کے مختلف الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔ اگر شاہ صاحب موصوف کے تمام اقوال درج رسالہ کئے جائیں تو اطناب اور تطویل کا خوف ہے۔ لہٰذا

استدلالاً ایک قول درج رسالہ کرتا ہوں۔ فتاوائے عزیزی جلد اوّل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی صفحہ ۷۵۔ سطر ۱۹۔

طعامے کہ ثواب آں نیاز حضرت امامین نمایند و بر آں فاتحہ و قل و درود خوانند تبرک میشود و خوردن آں بسیار خوب است۔ اور شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب انتباہ نے سلاسل اولیاء اللہ میں فرماتے ہیں۔ پس دہ مرتبہ درود خوانند ختم تمام کنند و بر قدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند حاجت از خدائے تعالٰے سوال نمایند۔

تمت

کتبہ:۔ سیّد نذر اشرف ابن سیّد شاہ فضل حسین

اشرفی جیلانی متوطن کچھوچھہ شریف۔ ضلع فیض آباد

نام خوش نویس:۔ حافظ عبد الرزاق دہلوی

۳/۱۰۰۹ لیاقت آباد کراچی۔

(مشہد پریس کراچی)